امام ابو حنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنا

حضرت مولانا پیرزادہ مفتی مظفر حسین قاسمی مخدومی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم سوپور

شریعت میں دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک مسائل واحکام ہوتے ہیں، دوسرے واقعات، حکایات اور تجربات ہوتے ہیں۔ احکام و مسال کا ثبوت شرعی دلائل، قرآن وحدیث، اجماع امت اور قیاس شرعی سے ہوتا ہے، جب کہ واقعات وحکایات اور قصص کا ثبوت مستند تواریخ کتب سے ہوتا ہے اور تجربہ کا تعلق بار بار کے مشاہدے اور کسی چیز کو استعمال کرنے کے بعد یکساں نتیجہ سامنے آنے کے بعد ہوتا ہے، جس طرح شرعی مسائل کا اثبات تاریخی دلائل سے ناممکن ہے اسی طرح تاریخی واقعات وتجربات کے قبیل کی چیزوں میں قرآن و حدیث سے دلیل طلب کرنا غلطی ونادانی ہے، واقعات وحکایات کا ثبوت اگر مستند تاریخی حوالجات سے ہمارے پاس موجود ہے اور اس کے تسلیم کرنے میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں ہے تو اس کو ماننا اور تسلیم کرنا ضروری ہے، ایسے ہی اگر خرابی بھی نہیں ہے تو اس کا انکار کرنا بداہت کے انکار کے مترادف ہوگا، ہم اس سلسلے میں چند واقعات وتجربات مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کریں گے، ان واقعات کی روشنی میں امام ابو حنیفہؒ کے مذکورہ واقعہ کو سمجھنا آسان ہوگا۔

(۱) امام بخاریؒ بچپن میں نابینا ہو گئے، ان کی والدہ ماجدہ بہت پریشان ہوگئیں اسی پریشانی کی حالت میں سیدنا حضرت ابرہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو حضرت ابراہیمؑ نے امام بخاریؒ کی والدہ سے فرمایا کہ اے نیک بخت خاتون تیرے کثرت سے دعا مانگنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تیرے لڑکے کی آنکھوں کی روشنی واپس لوٹائی صبح کو جب بیدار ہوئے تو واقعی امام بخاریؒ کی روشنی بالکل ٹھیک تھی۔

(ہدیۃ الساری ۱/ ۶۶۲)

کیا اس واقعہ کو ہم سب صرف اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ یہ مستند تواریخ میں موجود ہے؟

(۲) مشہور اہل حدیث عالم مؤلف علامہ وحید الزمان امام بخاریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سمرقند میں ایک مرتبہ بارش کا قحط ہوا، لوگوں نے پانی کے لئے کئی بار دعا کی پر پانی نہ بڑا آخر ایک نیک شخص آئے، قاضی سمرقند کے پاس اور اس سے کہا کہ میں تم کو ایک اچھی صلاح دینا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا بیان کرو، وہ شخص بولے تم سب لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر امام بخاریؒ کی قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر اللہ سے دعا کرو شاید اللہ جل جلالہ ہم کو پانی عطا فرمائے۔ یہ سن کر قاضی نے کہا کہ تمہاری رائے بہت خوب ہے اور قاضی سب لوگوں کو ساتھ لے کر امام بخاریؒ کی قبر پر گیا اور لوگ وہاں روئے اور صاحب قبر کے وسیلے سے پانی مانگا اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شدت کا پانی برسانا شروع کیا یہاں تک کہ شدت بارش سے سات روز تک لوگ خرتنگ سے نہیں نکل سکے۔

(تیسیر الباری ۱/ ۲۲)

(۳) یہی مولانا وحید الزماںؒ لکھتے ہیں، وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مجھے کفن دینا تین کپڑوں میں جن میں نہ قمیص ہو نہ عمامہ (یہی سنت ہے اور قمیص وعمامہ دونوں بدعت ہیں) ہم نے ایسا ہی کیا جب ان کو (امام بخاریؒ) کفن میں لپیٹا اور نماز سے فارغ ہوئے اور قبر میں رکھا تو ان کی قبر سے مشک کی طرح خوشبو پھوٹی اور بہت دنوں تک یہ خوشبو باقی رہی یہاں تک کہ کتنے دنوں تک لوگ انکی قبر کی مٹی لے جاتے تھے (سبحان اللہ یہ حدیث شریف کی خدمت کی برکت تھی) آخر ہم نے ان کی قبر کے گرد لکڑی کا جال بنا دیا......

(تیسیر الباری ۱/۲۲)

حافظ ابن حجر شارح بخاری نے بھی مقدمہ شرح بخاری ۱/۶۸۱ پر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

(۴) اہل حدیث کے عظیم محدث عبدالرحمان مبارکپوریؒ نے شرح ترمذی (تحفۃ الاحوذی) میں بخاری کے اجتماعی وانفرادی طور پر ختم کے تبرکات کے چند واقعات وتجربات درج کیے ہیں۔

الف......حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف کا ختم کرا کے بارش مانگی جاتی تھی اور وہ قبول ہوتی تھی۔

(تحفۃ الاحوزی ۱/۵۷)

(ب) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ بہت سارے مشائخ ومعتبر علماء نے اس بات کا تجربہ کیا کہ جب بھی انہوں نے حصول مراد، پریشانی کے دفاع، حاجت روائی، مصائب بیماریوں، پریشانیوں، شدائد کے رفع کرنے اور صحت کے لئے بخاری شریف کا ختم کیا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ان کی مرادیں پوری ہوئیں اور وہ منزل مقصود کو پہنچ گئے اور انہوں نے اس ختم بخاری کو تریاق پایا اور علماء حدیث کے نزدیک یہ واقعات مشہور ہیں۔

(ج) سید جمال الدین محدث نے اپنے استاذ سید اصیل الدین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے صحیح بخاری کا تقریباً ایک سو بیس مرتبہ مصائب ومشکلات میں اپنے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے ختم کیا اور جس نیت سے میں نے اس کو پڑھا وہ مراد مجھے مل گئی اور مقصد ہاتھ آ گیا۔

(تحفۃ الاحوزی ۱/۵۷)

اس واقعہ کو مولانا وحید الزماں نے بھی تیسیر الباری ۱/۲۵ میں نقل کیا ہے۔

(د) مولانا عبدالرحمان مبارک پوریؒ خود فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں، بہت سے علماء نے اس زمانے میں شفاء امراض، رفع بلیات وحصول مقاصد کے لئے بخاری شریف کے ختم کو جائز قرار دیا ہے، لوگ اکھٹے جمع ہو کر ایک ایک پارہ ہاتھ میں لے کر پڑھتے ہیں کوئی پہلا پارہ پڑھتا ہے کوئی دوسرا پارہ اور کوئی تیسرا پارہ پڑھتا ہے اسی طرح اجتماعی طور پر اس کا ختم کرتے ہیں، اور پھر اجتماعی طور پر مرضوں کی شفاء، رفع بلیات اور مقاصد کی برآوری کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، اور ان حضرات کی دلیل ہے کہ بخاری شریف کو پورا پڑھ کر اس کا ختم شریف بیماری کی شفاء، مصائب سے نجات اور حصول مقاصد کے لئے تعویذ کی طرح ہے اور جس تعویذ میں شرکیہ کلمات اور بے معنی الفاظ نہ ہو وہ بالاتفاق جائز ہے۔

(مقدمہ تحفہ ۱/۵۷)

ایک اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سوال: اگر کہا جائے کہ ختم شریف بخاری کے رقیہ ہونے کا علم ان کو کیسے ہوا، جب کہ بخاری شریف کے ختم کا رقیہ (تعویذ) ہونے کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے ہے اور نہ ہی اجماع امت سے ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ قرآنی آیات، ذکر و دعاءِ ماثورہ وغیرہ کا رقیہ ہونا اور انکا تعویذ لینا یا بنانا بیماری وغیرہ میں، اس کا ثبوت قرآن و حدیث پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ تجربات پر موقوف ہیں، پھر مولانا عبدالرحمان نے حضرت ابوسعید کا وہ مشہور واقعہ نقل کیا کہ جب بادشاہ کو کسی موذی جانور نے ڈس لیا تو انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا اور وہ ٹھیک ہو گیا۔

(مقدمہ تحفہ ۱/۵۷)

مولانا صادق سیالکوٹی معروف اہل حدیث عالم نے اپنی مشہور کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' میں دفع بلیات اور حصول مقاصد کے لئے ختم یونس علیہ السلام کے مختلف طریقے نقل کئے ہیں اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم وہ سب طریقے نقل کرتے، کیا اس قسم کے واقعات اور تجربات کا کوئی محض اس بنا پر انکار کریگا کہ انکا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے؟

اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا عبدالرحمان مبارک پوریؒ کے فرمان کے مطابق ان امور کا ثبوت قرآن و حدیث پر موقوف نہیں ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انکا ثبوت تاریخی شواہد اور تجربات پر موقوف ہے۔ اس مختصر تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنے کے واقعہ کا تعلق آیا مسائل واحکام سے ہے کہ اس میں قرآن و حدیث سے ثبوت کی ضرورت ہے یا محض واقعات سے تعلق رکھتا ہے جس میں صرف مستند اور قابل اعتبار حوالہ کی ضرورت ہے، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا اس بارے میں کوئی تاریخی ثبوت ہمارے پاس موجود ہے؟ آپ کسی بھی مستند سوانح حیات (جو امام صاحبؒ کے حالات کے بارے میں لکھی گئی ہو) کو اٹھا کر مطالعہ کریں آپ کو ضرور یہ واقعہ مختلف پیرایہ میں نقل کیا ہوا ملے گا، ہم مختصر چند حوالے یہاں نقل کرتے ہیں۔

(الف) روی الخطیب عن حماد بن نس قال سمعت اسد بن عمر یقول صلی ابو حنیفۃ فیما حفظ عنہ صلوٰۃ الفجر بوضوء العشاء اربعین سنۃ

خطیبؒ نے حماد بن یونس سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اسد بن عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ابوحنیفہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

(ب) امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ جا رہا تھا تو میں نے سنا کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ یہ ابوحنیفہؒ ہے جو رات کو نہیں سوتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ میرے بارے میں وہ باتیں کہہ رہے ہیں جن پر میرا عمل نہیں ہے اس کے بعد امام صاحب راتوں رات دعاء، نماز اور تضرع میں بیدار رہتے تھے۔

(ایضاً)

(۲) مرقات شرح مشکوٰۃ ۱/۷۷ میں ہے:

قال اسد بن عمرو صلی ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ صلوٰۃ الفجر بو ضوء العشاء اربعین سنۃ

حضرت اسد بن عمرو نے کہا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

(۳) امام بخاریؒ کے استاذ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں

(ویحک ان تقع فی رجل صلی خمساً و اربعین سنۃ بو ضوء واحد)

(شامی ۱/۶۶ مرقات ۱/۷۷)

افسوس ہے کہ تم اس شخص کی برائی کر رہے ہو جس نے ۴۵ سال ایک ہی وضو سے نمازیں پڑھیں۔

اتنا ہی نہیں جو شخص فن اسماء رجال سے معمولی مناسبت بھی رکھتا ہو وہ ضرور اس بات سے واقف ہوگا کہ اس قسم کے واقعات دیگر اکابر علماء سے بھی منقول ہیں، مثلاً مشہور محدث یزید بن ہارون کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

(تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۲۹۲، خطیب بغدادی ۱۴/ ۷ ۳۳)

سلیمان بن طرحانؒ کا معمول ہی چالیس سال تک یہ رہا ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۷/ ۱۸)

یہ صرف دو محدثین کا حال لکھا گیا ورنہ اس قسم کے بہت سے واقعات مستند تواریخ اور کتب سیر میں درج ہیں، تو جب امام ابوحنیفہؒ اور دیگر اکابرِ علماء کے بارے میں تاریخی طور پر یہ واقعات ثابت ہیں تو پھر ان کے ماننے میں کیا اشکال ہے؟

یہ واقعہ شرعاً و عقلاً ممکن ہے:

احادیث شریفہ میں عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کی فضیلت آئی ہے مثلاً بخاری شریف میں ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یستحب تاخیرھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز میں دیر کرنا اور تاخیر سے پڑھنا پسند کرتے تھے بعض احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصف رات کے بعد تک عشاء کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے، چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

اخر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلوٰۃ العشاء الی نصف اللین ثم صلی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشا کی نماز آدھی رات تک موخر کر کے پڑھی ایک مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد داؤد اثری شرح بخاری میں لکھتے ہیں، بہر حال عشاء کی نماز کے لئے تاخیر مطلوب ہے۔

(شرح بخاری ۱/ ۲۶۳)

اگر ان احادیث کی روشنی میں کوئی شخص نصف رات سے قبل اپنے ضروری اعمال اور کاموں سے فارغ ہو کر نصف شب کے بعد وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھے تو صبح تک اس کا وضو باقی رہنا اور اس سے صبح کی نماز پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے چونکہ احناف کے یہاں ان احادیث کی روشنی میں تاخیر عشاء مستحب ہے، اس لئے ممکن ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ عشاء سے قبل اپنے ضروری مشاغل سے فارغ ہو کر وضو کر کے تاخیر کے ساتھ ہی عشاء کی نماز پڑھتے ہونگے پھر اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے ہونگے۔ یہ تو عام آدمی کے لئے بھی ممکن ہے، حضرت امام

ابو حنیفہؒ جیسے مقتدر ہستی کے لئے ان احادیث کے روشنی میں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنا بہت آسان تھا،لیکن کچھ سطحی علم رکھنے والے حضرات اور کچھ امام ابو حنیفہؒ سے بغض اور بیر رکھنے والے اس طرح کے سوالات کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ پھر تدوین فقہ، تلاوت قرآن اور دیگر عبادات کس طرح ادا کرتے ہوں گے، حقوق زوجیت کس طرح انجام دیتے تھے؟

کیا شریعت میں اس طرح کی عبادت شاقہ کی اجازت ہے؟ اور کیا یہ خلاف سنت نہیں ہے؟ مناسب ہے کہ اس قسم کے سطحی سوالات کے بارے میں مختصراً کچھ لکھا جائے تا کہ کم علم رکھنے والے باخبر ہوں ار وخدا واسطے بغض رکھنے والوں کی زبان طعن بند ہوجائے۔

جاننا چاہئے کہ شریعت میں عباداتِ شاقہ کی ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جو ظاہری عبادتوں میں مشغول ہوکر فرائض اور دیگر اہم واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کریں، لیکن جو لوگ کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں ان کے لئے ممانعت بھی نہیں ہے۔ گویا شریعت میں جہاں کثرت عبادت کی ممانعت آئی ہے وہاں وہ لوگ مراد ہیں جو دیگر فرائض اور احکام شرعیہ کو ضعف کی بنا پر ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتے ہیں اور تاریخ میں جن اولوالعزم، صاحب عزیمت لوگوں کی کثرت عبادت کے واقعات درج ہیں ان کے بارے میں گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ دیگر فرائض کے بارے میں کوتاہی کرتے ہونگے اور اس بات پر اچھی طرح غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جس شخص پر جتنی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے وہ اس بارے میں اتنا ہی فکر مند ہوتا ہے اور ظاہری حدیث کو دیکھ کر مقتدر اور مقتدیٰ علماء کو ملامت کا نشانہ بنانا اور ان کو خلاف سنت کا مرتکب ٹھہرانا انتہائی نادانی کی بات ہے اور اگر یہی معیار سب کیلئے روا رکھا گیا تو امت کے جلیل القدر انسان بھی پھر اس زد سے نہیں بچ سکتے ہیں۔

(۱) مثلاً نکاح کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارک ہے اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنت سے اعراض کرنے والے کو یہ دھمکی دی ہے (فمن رغب عن سنتی فلیس منی) لیکن حافظ ابن تیمیہؒ، حضرت امام نوویؒ، حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومیؒ نے زندگی بھر شادی ہی نہیں کی، کیا کوئی شخص ان تینوں کو ترک سنت کا مرتکب قرار دے کر مذکورہ وعید کا مستحق قرار دینے کی جرأت کرسکتا ہے؟ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ علمی خدمات جہاد بالقلم، اصلاحِ خلق میں اس قدر مشغول ہوئے کہ ان کو شادی کا موقع ہی نہیں مل سکا، اسی طرح اگر امام ابو حنیفہؒ امت کے مسائل اور قرآن وحدیث سے احکام کو مستنبط کرنے کے لئے اور امت اور عوام الناس کے درد وغم میں راتوں کی نیند چھوڑ کر بیدار رہ کر امت کی سہولت کے لئے محنت کرتے تھے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، حالانکہ امام ابو حنیفہؒ کے مذکورہ واقعہ میں جو تفصیل آئی ہے اس میں بھی درج ہے کہ آپؒ دوپہر کو سنت کے مطابق قیلولہ بھی فرماتے تھے اور آج کے گئے گزرے دور میں بھی جو لوگ پڑھنے لکھنے، تصنیف وتالیف سے شغف رکھتے ہیں اگر آج کا عام آدمی ان کی محنت شب بیداری کو دیکھے گا تو اس کو امام صاحبؒ کے مذکورہ واقعہ کو تسلیم کرنے میں کوئی حیرانی نہ ہوگی، رہا حقوق زوجیت ادا کرنے کا معاملہ تو وہ دن میں بھی ادا ہوسکتے ہیں۔ اس میں کوئی استحالہ بھی نہیں ہے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ذاتی واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال، رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امرأۃ فاعجبتہ فاتی سودۃ رضی اللہ عنہا وھی تصنع طعاما وعندھا نساء فاخلینہ فقضیٰ حاجتہ ثم قال ایما رجل رای امرأۃ تعجبہ فلیقم الی اھلہ فان معھا مثل الذی معھا

(مشکوٰۃ ۲/۲۶۹)

توجب حافظ ابن تیمیہؒ وغیر مستقل ترک سنت کی بنا پر موردِ الزام نہ ٹھہرے تو امام ابوحنیفہؒ کے واقعے کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے جب کہ اس میں شرعی قباحت بھی نہیں ہے۔

(۲) مثلاً بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم کتنے عرصہ میں قرآن کریم ختم کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات میں ایک، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اقراء فی کل سبع لیال مرۃ

(بخاری شریف ۲/۷۵۵)

یعنی ہفتہ میں صرف ایک ہی مرتبہ ختم کیا کرو ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے:

فاقرا فی سبع ولا تزد علی ذلک

(بخاری شریف ۲/۷۵۶)

یعنی ہفتہ میں صرف ایک قرآن پڑھا کرو اور اس سے زیادہ مت کرو اور بعض روایات میں تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی ممانعت آئی، لیکن دوسری طرف ترمذی شریف میں ہے حضرت عثمانؓ ایک رات میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔

(ترمذی شریف ۲/۱۶۶)

مولانا عبدالرحمان مبارکپوری معروف اہل حدیث عالم نے شرح ترمذی میں مختلف حضرات کے واقعات نقل کئے ہیں، مثلاً: تمیم داریؓ پوری رات جاگ کر ایک ہی رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے، عبداللہ بن زبیرؓ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے، سعید بن جبیرؒ گھر میں ایک ہی رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے، صالح بن کیسانؒ سفر حج میں ایک ہی رات میں دو قرآن پڑھتے تھے، منصور بن زاذانؒ ایک دن میں دو قرآن پڑھتے تھے، ایک قرآن چاشت کی نماز میں اور دوسرا عصر تک پڑھتے تھے پوری رات جاگتے رہتے تھے اور رمضان المبارک میں مغرب وعشاء کے درمیان دو قرآن پڑھتے تھے، ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد مولانا عبدالرحمان مبارکپوری لکھتے ہیں کہ اگر تم محدثین کے احوال کی تحقیق کرو گے تو تم ایک بڑی تعداد کو تین دن سے کم میں قرآن ختم کرتے ہوئے پاؤ گے کیا بخاری شریف وغیرہ کی احادیث دیکھ کر کوئی ان محدثین کو بھی خلاف سنت یا عبادت شاقہ برداشت کرنے کا طعنہ دیگا؟

(۳) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صوم الدہر یعنی مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے بلکہ بخاری کی روایت میں ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم لا صام من صام الابد مرتین

(بخاری شریف ۱/۲۶۵)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اسکا روزہ ہی نہ ہوگا۔

اس حدیث شریف کے ظاہری الفاظ سے صوم الدہر کی ممانعت ثابت ہوئی ہے لیکن امت میں بے شمار ایسے لوگ گذرے ہیں جو صائم الدھر تھے مثلاً امام شعبہ بن الحجاجؒ، امام وکیع ابن الجراحؒ، حضرت امام بخاریؒ صائم الدھر تھے کیا ان لوگوں کو بدعتی کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ یہ ممانعت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن سے دیگر فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا اندیشہ ہو۔

(۴) اسی طرح مولانا وحید الزمان اہلحدیث عالم امام بخاریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک بار امام بخاریؒ بیمار ہوئے ان کا قارورہ طبیبوں کو بتلایا (یعنی ڈاکٹروں کو ان کا پیشاب ٹسٹ کے لئے دکھایا گیا) انہوں نے کہا یہ قارورہ تو راہبوں کا سا ہے جو سالن نہیں کھاتے پھر امام بخاریؒ نے اس کی تصدیق کی اور کہا چالیس برس سے میں نے سالن نہیں کھایا (یعنی سوکھی روٹی پر قناعت کی) طبیبوں نے کہا اب تمہاری بیماری کا علاج یہ ہے کہ سالن کھایا کرو انہوں نے قبول نہیں کیا۔

(تیسیر الباری ۱/۱۱، فتح الباری ۱/۲۶۶)

کیا کوئی مسلمان امام بخاری جیسے امیر المحدثین فی الحدیث کو راہبوں جیسی زندگی بسر کرنے اور اپنے آپ کو اتنی تکلیف برداشت کرنے کا الزام دیکر ان کو خلاف سنت عمل کا مرتکب قرار دے سکتا ہے؟ حالانکہ درست بات یہ ہے کہ یہ محدثین امت کی سہولت کے خاطر ذاتی آرام ولذائذ کو خیرباد کہہ کر علمی مشاغل میں اتنے مست تھے کہ ان کو مرغوبات کی خواہش ہی نہیں رہتی تھی۔

(۵) اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ ذہبیؒ نے امام زین العابدین علی بن حسینؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ وفات کے وقت تک ایک دن ورات میں ایک ہزار رکعات نماز پڑھتے تھے۔

(تہذیب التہذیب ۷/۳۰۶)

اسی طرح امام میمون بن مہرانؒ، حرہ بن شراحیلؒ ایک شب وروز میں ایک ہزار رکعات پڑھتے تھے کیا کوئی ان کی عبادت کو دیکھ کر ضرب جمع، تقسیم کا حساب لگا کر ان کے بدعتی ہونے کا فتوی صادر کر سکتا ہے۔

(۵) اسی طرح کوئی شخص زندگی سے پریشان ہو کر موت کی تمنا کرے، اس کی حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

قال النبی ﷺ لا یتمنین احدکم الموت من ضر

(بخاری شریف ۲/۸۴۴)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی شخص ہرگز ہرگز کسی دکھ کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، لیکن دوسری طرف یہ بھی آیا ہے کہ جب امام بخاریؒ خود زمانہ اور اہل زمانہ کی ستم ظریفی سے تنگ آئے تو انہوں نے اپنے لئے موت مانگی اور یہی ان کی وفات کا ظاہری سبب بنا، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام عبدالقدوس بن عبدالجبار السمرقندی کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاریؒ کو ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے ہوئے سنا، اے اللہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے، اس کے بعد ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موت کی آغوش میں لیا۔

(مقدمہ فتح الباری ۱/۶۸۰)

علامہ وحید الزمان اہل حدیث نے یہ واقعہ (تیسیر الباری ۱/۲۱) میں درج کیا ہے کہ امام بخاریؒ بظاہر حضور ﷺ کی صریح حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے موت کی تمنا نہیں کر رہے ہیں لیکن الزام دینے میں جلدی نہ کیجئے بلکہ محدثین سے اس حدیث کا مطلب پوچھئے تا کہ امام بخاریؒ کی ذات داغدار نہ بن جائے اور محدثین فرمائیں گے کہ موت کی تمنا کی ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیاوی ضرر و تکلیف

بیماری وغیرہ سے عاجز رہ کر موت مانگیں اور اگر کسی کے دین پر آنچ کا خطرہ ہو تو وہ اس کی تمنا کر سکتا ہے۔

(۷) اسی طرح احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے دعائیں مانگتے تھے لیکن دوسری طرف مشہور اہل حدیث عالم مولانا وحید الزماں صاحب امام بخاریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وراقؒ نے کہا کہ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار سے دوبار دعا کی فوراً قبول ہوگئی پھر میں نے دعا نہ کی اس ڈر سے کہ کہیں میری نیکیاں کم نہ ہو جائیں۔

(تیسیر الباری ۱/۱۰)

کیا کوئی شخص اس واقعہ کا انکار کر سکتا ہے، یا امام بخاریؒ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برخلاف عمل کرنے کا طعنہ دے سکتا ہے (العیاذ باللہ) غرض اس قسم کے سینکڑوں واقعات مل سکتے ہیں لیکن نہ ہم ان اکابر علماء کو خلاف حدیث عمل کرنے کا طعنہ دیتے ہیں نہ ان کے بارے میں غیر سنجیدہ زبان استعمال کر سکتے ہیں، نہ ہی ان مشہور واقعات کا انکار کرتے ہیں، نہ بدعتی ہونے کا الزام دیتے ہیں بلکہ ان واقعات کو قبول کرنے کے بعد ان کا صحیح محمل تلاش کرتے ہیں تاکہ اسلام کے ان سپوتوں پر کوئی آنچ نہ آئے، جب ہم نے ان اکابر امت، محدثین ومشائخ علماء کے احوال کو صریح احادیث کے ظاہری الفاظ سے مخالف ہونے کے باوجود انکو بدعتی نہ کہا تو امام ابوحنیفہؒ کے واقعہ کو تسلیم کرنے میں ہمیں کونسی پریشانی ہے جبکہ یہ واقعہ تواتر اور تسلسل سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی ظاہری حدیث کے خلاف ہے، رہا معاملہ کہ اتنی کثرت عبادت کے باوجود دیگر امور کو یہ لوگ خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ کس طرح انجام دیتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل میں برکت کی بات ہے اگر ہم بھی آج ان جیسا تقویٰ، طہارت، رزق حلال کا اہتمام، حرام سے اجتناب کا خیال رکھیں تو ہم بھی اس قسم کی برکات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے (الاکثار فی العبادۃ لیس بدعۃ) میں خاص علمی اور تحقیقی انداز میں اس قسم کے واقعات کا شریعت کے موافق ہونا ثابت کیا ہے، آخر میں پھر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تاریخی واقعات کو تاریخ سے ثابت کیا جانا چاہئے، جب تاریخی دلائل سے ان کا ثبوت ہو جائے اور ان کے قبول کرنے میں کوئی شرعی قباحت بھی نہ ہو تو انکار کرنا محض جہالت اور ہٹ دھرمی ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انك روف رحیم